# رزقِ حلال

جناب سید اسعد گیلانی صاحب - ایم - اے -

اِسلام پاکیزگی اور طہارت کو پسند کرتا ہے اور ناپاکی اور گندگی کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کا یہ تصور زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے بارے میں ہے۔ رزق کے بارے میں حلال اور طیّب ہونے کا تصور اسلام نے اس شدت سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف رزقِ حلال کو ہی اپنی طرف سے نعمت قرار دیا ہے۔ رزقِ حرام کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت قرار نہیں دیتا۔

رزقِ حلال اسلامی معاشرے میں بیحد اہمیت رکھتا ہے اور اس کے بارے میں تاکیدی احکام کافی دیئے گئے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو دُور دراز کا سفر کر کے حج کے لیے پہنچتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، سر سے پاؤں تک راہ خدا میں گردِ سفر میں اَٹا ہوا ہے۔ ظاہری صورت میں وہ بڑا اخدا رسیدہ انسان دکھائی دیتا ہے اور بے تاب ہو ہو کر رو رو کر ملتزم کو تھام تھام کر دُعائیں کرتا ہے لیکن حدیث کی تمثیل میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص کی دُعائیں اللہ تعالیٰ کیسے قبول کر سکتا ہے جب کہ اس کے جسم پر کپڑا حرام کی کمائی کا ہے اور اس کے پیٹ میں غذا حرام کمائی کی ہے۔ حرام کمائی کی کوئی عبادت بھی اللہ کو قبول نہیں ہے۔

رزق، انسان کے اخلاق و کردار پر زبردست اثر ڈالتا ہے۔ یہ صرف جسمانی قوت اور نشوونما کا ذریعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ انسان کی رُوح کے لیے بھی یہی غذا قوت بہم پہنچاتی ہے۔ انسانی رُوح حرام غذا قبول نہیں کرتی اور نہ اس سے اس کی بالیدگی اور پرورش ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ حلال رزق سے تو جسم اور رُوح دونوں توانائی حاصل کرتے ہیں، لیکن حرام رزق

سے حیوانی جسم تو تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن رُوح فاقہ کشی کرتی اور کمزور و ناتوان ہو جاتی ہے۔

عام طور پر رزق کا اطلاق کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کے لیے کیا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں رزق صرف خوراک کے معنی تک محدود نہیں ہے، بلکہ عطا، بخشش اور نصیب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دُنیا میں انسان کو دیا ہے وہ سب اس کا رزق ہے حتیٰ کہ اولاد بھی رزق ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حاملہ کے پیٹ میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ پیدا ہونے والے کا رزق اور اس کی مدتِ عمر اور اس کا کام لکھ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رزق سے مراد صرف وہ خوراک ہی نہیں ہے جو اس بچے کو ملنے والی ہے، بلکہ وہ سب کچھ ہے جو اُسے دُنیا میں دیا جائے گا۔ خود قرآن میں ہے کہ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے احکام حلال و حرام صرف دسترخوان کی سرحدوں تک محدود سمجھنا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔

اسی غلطی کے نتیجے میں لوگوں نے کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال اور درست و نادرست کا مسئلہ تو ایک دینی مسئلہ سمجھ لیا ہے، لیکن تہذیب و تمدن مملکت و اجتماعیت کے وسیع تر معاملات میں خدا کے احکام اور اس کی کتاب سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کرنے لگے ہیں اور یہ خدا کے احکام سے بے نیاز قانون سازی بڑے بڑے حساس متقیوں کو بھی احساس نہیں دلاتی کہ یہ چیز بھی اسی طرح دین کے احکام حلت و حرمت سے ٹکراتی ہے، جس طرح کھانے پینے کی چیزوں میں شریعتِ الٰہی سے بے نیاز ہونے سے غذا کے حلال و حرام اور پاک و ناپاک ہونے کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلام نے رزقِ حلال کے بارے میں قدم قدم پر تاکید کی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کھانے سے بہتر اور کوئی کھانا نہیں جو کوئی شخص اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھائے اور خدا کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ سے ہی کما کر کھاتے تھے۔

٭ حضورؐ نے فرمایا" لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اس کی

پروا نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام"۔ (بخاری)

ہ ـــ حضورؐ نے مزید فرمایا " لوگوں پر حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جن کی حقیقت سے بہت سے لوگ واقف ہیں تو جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنا دین بچا لیا۔ اور اپنی آبرو کو محفوظ رکھا اور جو شخص شبہ کی چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہوا"۔ فرمایا: مشتبہ چیزوں کی کیفیت یہ ہے کہ جیسے ایک چرواہا ہو جو کھیت کی مینڈھ کے پاس اپنے جانوروں کو چرائے اور ہر وقت اس کا خطرہ رہے کہ کوئی جانور کھیت میں گھس جائے۔ خبردار رہو کہ ہر بادشاہ کی ایک حد مقرر ہے اور خدا کی حد حرام چیزیں ہیں۔ آگاہ رہو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب تک وہ ٹھیک رہتا ہے سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے"۔ (بخاری)

ہ ـــ حرام کمائی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: "جو بندہ مالِ حرام کمائے اور پھر صدقہ کرے وہ صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور جو شخص اس مالِ حرام کو اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرے تو اس میں برکت نہیں دی جاتی اور جو شخص مالِ حرام کو مرنے کے بعد چھوڑ جائے وہ مال اس کے لیے دوزخ کا توشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے دُور نہیں کرتا، بلکہ بُرائی کو بھلائی سے دُور کرتا ہے۔ ناپاک مال ناپاکی کو دُور نہیں کر سکتا (شرح السنۃ)

چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ المومنون میں فرمایا گیا: "یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" (ترجمہ) "اے انبیاء کرام کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو صالح"۔

یہاں پاک چیزوں سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو بجائے خود بھی پاکیزہ ہوں اور پھر حلال طریقے سے حاصل بھی ہوں۔ طیّبات کھانے کی ہدایت کر کے رہبانیت اور دنیا پرستی کے درمیان اسلام کی راہِ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مسلمان نہ تو راہبوں اور جوگیوں کی طرح اپنے آپ کو پاکیزہ چیزوں سے محروم کرتا ہے اور نہ دُنیا پرستوں کی طرح حرام و حلال کی تمیز کیے بغیر ہر چیز پر منہ مار دیتا ہے۔

طیبات کھانے کے ساتھ عملِ صالح کا تذکرہ اس لیے ہے کہ حرام خوری کے ساتھ عملِ صالح کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ عملِ صالح کی سب سے پہلی شرط ہی یہ ہے کہ انسان رزقِ حلال کھائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "لوگو! اللہ خود پاک ہے اس لیے وہ پاک ہی چیز کو پسند کرتا ہے"۔

پھر آپؐ نے تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار آلود و پراگندہ حال آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے یارب! یارب! مگر اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ روٹی اس کی حرام۔ کپڑے اس کے حرام اور جسم اس کا حرام کی روٹیوں سے پلا ہوا۔ رب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول کر سکتا ہے" (مسلم)

رزق ہر شخص کا مقدر ہوتا ہے وہ اسے ملنا ہی ہوتا ہے وہ چاہے تو اسے حرام ذرائع سے حاصل کرے اور چاہے تو حلال ذرائع سے حاصل کرے۔ حلال ذرائع اسے خود بخود نیک اور خدا کا صالح بندہ بناتے چلے جاتے ہیں۔ اور حرام ذرائع اسے خود بخود برا اور خدا کا باغی بندہ بناتے چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ صبر کی کمی اور توکل کی قلت کے سبب محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں اور حرام ذرائع رزق کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی بھول ہوتی ہے کہ رزقِ حلال مشکل ہے اور رزقِ حرام آسان ہے۔ ممکن ہے کہ بظاہر ایسا نظر آئے لیکن ذرا اس چور کی مشقت کا اندازہ کیجیے جو اپنی چند روزہ عیش کی خاطر اور محنت کے پسینے سے گھبرا کر رات کو جان ہتھیلی پر لے کر نکلتا ہے اور پکڑے جانے پر جس کی ابتدائی سزا ہی سخت درجے کی بے عزتی اور مار پٹائی ہوتی ہے اور ہر وقت جان کا خطرہ ہوتا ہے، وہ ہر روز مرتا اور ہر روز جیتا ہے۔

ایک دفعہ انسان اگر یہ اطمینان کرے کہ رزق کس طرف سے آرہا ہے اور انسانوں سے بڑی مخلوقات جو اربوں اور کھربوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ جو زمین، پانی اور ہوا میں موجود ہیں وہ بھی اللہ کے خزانے سے ہی رزق پا رہی ہیں، اس کے بعد انسان کے لیے رزق کے بارے میں صحیح سمت اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا سب سے پہلا تعارف " رب العالمین " کے صفاتی نام سے ہی کرواتا ہے۔ گویا اس کی صفتِ ربوبیت جو رزق رسانی اور پرورشِ مخلوقات کی خود ضامن ہے سب سے پہلے بندوں کا اسی صفت سے تعارف کرایا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس میں ایمان و انکار کی شرط بھی نہیں ہے۔ گویا یہ صفت اس کی ہر قسم کی مخلوق کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ خالق کے ذمے اپنی مخلوق کی پرورش خود تسلیم کردہ ہے۔ اس میں مخلوق کی اس حیثیت کے سوا کہ وہ مخلوق ہے دوسری کوئی شرط نہیں ہے۔

ایک انسان کے لیے اس سے بڑی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک سے اپنے حصے کا رزق سیدھے، صاف، پاکیزہ اور حلال طریقے سے وصول کرے اور ادھر اُدھر کے حرام ذرائع استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جب کہ خالق نے پرورشِ مخلوقات کو اپنے ذمے کا کام قرار دیا ہے اور بندگی، عبادات، اطاعت اور فرمانبرداری کو مخلوق کے ذمے کا کام بتایا ہے۔ ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے جیسے اس کی کائنات کی ہر شے اس کی اطاعت میں سرگرمِ عمل ہے۔ رزق دینا اس کا کام ہے۔

رزقِ حلال کمانا اطاعتِ الٰہی کی ہی ایک صورت ہے اور رزق حرام کمانا انحرافِ اطاعتِ الٰہی کی ایک شکل ہے۔ ہمیں کائنات کی تمام مخلوقات کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اطاعتِ الٰہی کی روش اپنانی چاہیے۔ اطاعت کی یہ روش کائنات کی شاہراہ پہ کامل ہم آہنگی کی روش ہے لیکن انسان اطاعت کی کامل ہم آہنگی کو انحراف کے مختلف مظاہروں سے درہم برہم کرتا رہتا ہے اور انحراف کے ان مظاہروں میں رزقِ حرام کی روش پر چلنا اور رزقِ حلال کی جدوجہد سے اجتناب کرنا بھی شامل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا دوسرا مظہر سلسلۂ انبیاء کرام ہیں جو صرف بنی نوع انسان کے لیے ہے اس لیے کہ پوری کائنات میں صرف وہی انحراف کی روش کا ارتکاب کرتا رہتا ہے دوسری ساری مخلوقات کا طرزِ عمل جبلّی اور تکوینی طور پہ کامل اطاعت کا ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبۃ اللہ کے بعد یہ دعا کی:

" اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنائے اور اس کے باشندوں میں سے

جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے"۔
تو اس کے جواب میں رب العالمین نے اپنی ہمہ گیر رزاقی کے پیشِ نظر دعا میں فوراً اصلاح کر دی اور فرمایا:

"اور جو نہ مانے گا چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا البتہ آخر کار اُسے عذابِ جہنم میں جانا ہوگا۔ جو بدترین ٹھکانہ ہے" (البقرہ: ۱۲۶)

گویا رزق رسانی خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک متفق علیہ مسلّمہ حقیقت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ یونس میں فرماتا ہے:

"ذرا ان سے پوچھو کہ کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون بے جان سے جان دار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے، کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ! تو کہو پھر تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو"۔

جو لوگ رزقِ حرام کے لیے اپنی ہستی کو دوزخ کا ایندھن بنا لیتے ہیں کیا وہ حیوانات اور چرند و پرند سے بھی گئے گزرے ہیں۔ آخر اس زمین پر لاکھوں قسم کے حیوانات ہیں، جن میں سے ہر نوع کے کروڑوں اور اربوں افراد موجود ہیں اور ہر لمحہ نئے سے نئے وجود میں آ رہے ہیں، مَر رہے ہیں، پیدا ہو رہے ہیں۔ عمر کے مختلف مراحل میں ہیں۔ اور زندگی کے ہر مرحلے میں ان کی ضروریات و حاجات بھی مختلف ہیں۔ ان کی صرف غذائی ضروریات کا ہی اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے تو انسان دم بخود رہ جاتا ہے۔ لیکن ان سب کی غذائی ضروریات کا سامان اُن کی قریب ترین دسترس میں رکھ دیا گیا ہے اور وہ بے نیاز ہو کر خود بخود خوراک پاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خوراک سے محروم نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ اس فراہمیٔ غذا میں اتنی بے شمار فطرت کی قوتیں زمین سے آسمان تک کام کرتی ہیں کہ انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ اگر سورج کی گرمی، ہوا کی روانی، پانی کی سیرابی، اور زمین کے مختلف مادے ٹھیک ٹھیک تناسب سے باہم مل کر غذا کا سامان مسلسل اور پیہم نہ کرتے رہیں تو اُن کو غذا کا ذرہ تک مہیا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ربوبیتِ الٰہی کے یہ سارے چاکر دم بخود اور چپ چاپ اس

کارخانۂ قدرت کے اندر مزدوروں کی طرح کام کرتے رہتے ہیں اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تھکتے ہیں اور نہ عدم تعاون کرتے ہیں۔

یہ سارا انتظامِ رزق رسانی موجود ہے لیکن خدا کا ایک بے خبر، بے توکل بندہ یہ جانے بغیر کہ سارا کچھ اسی کے لیے ہے تاکہ اُسے رزقِ حلال فراہم کرے۔ وہ اپنے نفس کے دھوکے میں آ کر رزق کے وہ ذرائع استعمال کرتا ہے جو ناپاک ہیں یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک عظیم الشان دسترخوان بچھا ہوا ہو اور اس پر انواع واقسام کے کھانے چُنے ہوئے ہوں۔ لیکن کوئی شخص اِس دسترخوان کے پاکیزہ کھانوں کو چھوڑ کر گندی نالیوں میں ہاتھ مارے اور وہاں سے ناپاک اور گلی سڑی ہڈیاں نکال کر چچوڑے۔ اسے بدقسمتی اور بے عقلی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایسا شخص اگر دھکے کھاتا ہے اور اسے مقدر کا لکھا کہتا ہے تو اس کی عقل کا ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک روزی رسانی کا تعلق ہے سورۃ العنکبوت میں فرمایا گیا ہے:

"کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کا رزق ان کو دیتا ہے اور تمہارا بھی وہی رازق ہے۔ وہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے"۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتے ہوئے اور اس کا خالص بندہ بن کر رہتے ہوئے آزمائشیں بہرحال آتی ہیں اور یہی آزمائشیں ہیں جن کو بلندئ درجات کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے مصیبت جان کر بے حوصلہ لوگ غلط راستوں کی طرف مُڑ جاتے ہیں۔

(باقی)